اردو تراجم وتفاسیر میں تفسیر مرادیہ کا مقام ومرتبہ

The Status of Tafsīr-e-Murādiyah Among Urdu Translations and Exegeses of the Qur'ān

ڈاکٹر ثناء اللہ*

ڈاکٹر نور حیات خان**

ABSTRACT

This is a historical fact that along with Arabs, rather more than Arabs, the Quranic and Islamic sciences were dealt by the non-Arabs. After Arabic, the Persian language attained the status of an Islamic language, and great books were written in Islamic literature in Persian. After Persian, Urdu succeeded to hold the title of Islamic language. A great many works of Islamic sciences and translation and exegesis of the Qur'ān were rendered into Urdu by the scholars of the subcontinent and others.

It is said that Urdu tafsīr began in the 12th century from the Hijrah. As Jamīl Naqī says that the first Tafsīr was "Basā'ir al-Qur'ān" by Nikhal Shāh Jahānpūrī (114 A.H/1231AD), he points out that Ḥakīm Muḥammad Ashraf Khān was the first one who translated the Qur'ān into Urdu with some comments. Shāh 'Abdul Qādir (1230 AH/1815AD) and Shah Rafi'udddīn followed him.

However, Urdu translation and exegesis of the Quran by Murād'ullāh Anṣārī Sanbhalī, a disciple of Mirzā Maẓhar Jan-e-Jānān, is rightly said to be the earlier work than those of Shāh 'Abdul Qādir and Shāh Rafī'uddīn. However, the first complete translations were of course of both of them.

The Author of this research article, explores and discusses Tafsīr-e-Murādiyah and highlights its scholarly merits, which determine its status among the exegetical literature of the Quran.

Keywords: *Exegesis; Quranic sciences; Tafsīr-e-Murādiyah; Urdu Translations of the Qur'ān; Scholarly Merits*

---

*اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ قرآن و تفسیر، کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

**اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

یہ تاریخی حقیقت ہے کہ قرآنی علوم سے دلچسپی صرف عربوں تک محدود نہیں رہی بلکہ دوسرے علاقوں اور زبانوں میں بھی اسی موضوع پر بکثرت وقیع اور علمی تصانیف منظر عام پر آئیں۔ قرآنی علوم کی نشرواشاعت کے حوالے سے برصغیر پاک وہند میں اردو زبان میں علوم قرآن پر برصغیر میں قیمتی اثاثہ اور علمی کام نظر آتا ہے ، جو موضوعات کی یکسانیت کے باوجود مصنفین کے منفرد اسالیب اور جراتمندانہ انداز فکر کی نمائندگی کرتا ہے۔ اردو زبان کو یہ فخر حاصل ہے کہ عربی کے بعد قرآن حکیم اور علوم قرآن پر سب سے زیادہ کام اسی زبان میں ہوا ہے۔ اس مقالے کا مقصد اردو زبان کی اوّلین تفسیر، تفسیر مرادیہ کی اہمیت اور قدروقیمت سے قارئین کو آگاہ کرنا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہندوستان متنوع تہذیب وتمدن کا مرکز اور ایک تاریخی ملک ہے۔ ہندوستان میں مسلم عہد حکومت کا آغاز محمود غزنوی کی آمد کے ساتھ ہوا۔ سلاطین غور کے عہد حکومت میں ترکستان اور ماوراء النہر سے علماء فضلا اور بزرگان دین کے قافلے ہندوستان آنے شروع ہوئے جن کی بدولت اس خطہ میں اسلام کی نشرواشاعت کا سلسلہ شروع ہوا اور اسی عہد سے باقاعدہ ہندوستان میں اسلامی ثقافت وتمدن کی ابتدا ہوئی۔ ہندوستان میں مسلم عہدِ حکومت کے آغاز سے لے کر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ تک اصحاب تصنیف مفسرین کی جماعت میں بہت سے بزرگان دین کے نام شامل ہیں۔ مختلف علوم وفنون کی طرح فن تفسیر کا آغاز بھی قدما کی تصانیف کے ترجموں اور شروح وحواشی سے ہوا۔[۱] اور خصوصاً برِصغیر میں فن تفسیر کی ابتدا تصوف کے زیر اثر ہوئی۔[۲]

اردو تراجم وتفاسیر کا ایک مختصر جائزہ

دنیا بھر کی زبانوں میں سے صرف اردو کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ ترجمہ وتفسیر قرآن کا سب سے زیادہ لٹریچر اسی میں لکھا گیا، جیسا کہ ڈاکٹر احمد خان کی مرتب کردہ "قرآن حکیم کے اردو تراجم کتابیات" میں ان کے ایک ہزار گیارہ اندراجات کا تذکرہ موجود ہیں۔[۳]

اولین تراجم

کہا جاتا ہے کہ اردو زبان کا پہلا ترجمہ وہی ہے جو ۱۸۸۳ء میں راجہ الور کی فرمائش پر لکھا گیا تھا۔

اسی عہد کی ہندی اور ابتدائی دور کی اردو میں کچھ زیادہ فرق نہ تھا۔ تاہم باضابطہ ترجمہ کی حیثیت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے فارسی ترجمہ کو حاصل ہے۔ جبکہ بحرِ مواج (۸۴۹ھ) اس سے بھی قدیم فارسی تالیف ہے تاہم:

- ۱۰۸۷ھ میں قدیم دکنی اردو میں عبد الصمد بن تواب عبد الوہاب خان کا ترجمہ و تفسیر بنام "تفسیر وہابی"
- اور ۱۱۰۹ھ میں سورہ یوسف کی پرانی گجراتی اردو میں منظوم تفسیر۔
- ۱۱۳۱ھ میں اردو، عربی اور فارسی کا مخلوط ترجمہ از قاضی محمد معظم سنبھلی۔
- ۱۲۰۵ھ میں شاہ عبد القادر کا ترجمہ وحواشی بنام (موضح القرآن)۔
- اردو کا پہلا تشریحی ترجمہ جو حکیم محمد شریف خان (م ۱۲۲۲ھ) سے منسوب ہے، قدیم اور اوّلین اردو تراجمِ قرآن شمار کئے جاتے ہیں۔

انیسویں صدی کی مشہور اُردو تراجم

قرآن مجید کتابِ ہدایت اور انسانیت کے لئے راہنما ہے۔ اس نقطہ نگاہ سے یہ اہمیت کسی بھی دور کم نہیں ہو سکتا، بلکہ جس طرح انسانیت اپنی تہذیبی وترقی کی طرف گامزن ہے، اسی طرح انسان ہر دور کا انسان اس کتاب کی رہنمائی کا محتاج رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جوں جوں انسان ترقی کے مدارج طے کرتا ہے ، اپنی گوناگوں مسائل کی وجہ سے اس کتاب کی رانمائی کا محتاج رہے گا۔ اسی احتیاج کے پیشِ نظر انیسویں صدی عیسوی اردو تراجم کے لیے بہت اہم ہے۔ اس میں نہ صرف اردو ترجموں کی شدید ضرورت محسوس ہوئی بلکہ تفسیری ادب اور اس کی ترقی میں ان کا اہم کردار رہا۔

بقول ڈاکٹر اعجاز فاروق اکرم اس عہد کا پہلا ترجمہ ۱۸۰۳ء میں فورٹ ولیم کالج کلکتہ کے ڈاکٹر گل کرسٹ (م ۱۸۴۱ء) کے حکم پر علماء کی ایک کمیٹی نے کیا، جبکہ اس صدی کے آخری تراجم میں مولانا فتح محمد جالندہری اور عاشق الٰہی میرٹھی کے تراجم شامل ہیں۔ اس صدی میں تقریباً ۶۴ مکمل تراجم ہوئے۔ اور جن بزرگوں نے اس عظیم خدمت میں ناقابلِ فراموش کردار ادا کیا ہے، ان میں نواب صدیق حسن خان (م ۱۸۸۹ء) شاہ رفیع الدین (م۱۸۱۸ء) اور مولانا عبد الحق حقانی (م۱۸۹۹ء) کے اسمائے گرامی اہم اور معروف ہیں۔ جزوی تراجم کی تعداد تقریباً ۲۲ ہے، جن میں سورہ فاتحہ، سورہ یوسف، سورہ بنی اسرائیل،

سورہ یٰسن ، سورہ بقرہ، سورہ مزمل، سورہ ھود، سورہ ق اور سورہ الذاریات ، کے علاوہ پارہ اول اور ۲۹، ۳۰ ویں پارے کے تراجم شامل ہیں۔

اسی طرح قرآن مجید کے تراجم و تفسیری ادب کا یہ شاندار سلسلہ آگے بڑھتا ہے، جس میں بطورِ خصوصی بیسویں صدی عیسوی اردو تراجم کے لئے دور انقلاب کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں قران مجید کے تراجم کی نہ صرف تعداد میں زیادہ اضافہ نظر آتا ہے، بلکہ تراجم نے تقلیدی منہج سے مختلف انداز اور طریقہ اختیار کیا ہے۔ اس صدی کے ابتدائی تراجم میں حیرت دہلوی (۱۹۰۱ء) کا ترجمہ قرآن معہ تفسیر بالحدیث اور ۱۹۰۲ء میں سید امیر علی، ۱۹۰۵ء میں مولانا وحید الزمان کے اردو تراجم شامل ہیں۔[۴]

اس دور میں ۸۸ مکمل تراجم لکھے گئے، جن میں سے اکثر کے ساتھ قرآن مجید کی تفسیر و تشریح بھی شامل کی گئی۔ ان میں سے خاص کر قابلِ ذکر:

- بیان القرآن : مولانا اشرف علی تھانوی
- ترجمہ قرآن : مولانا محمود الحسن
- ترجمان القرآن : مولانا ابو الکلام آزاد
- تفہیم القرآن : مولانا ابو الاعلیٰ مودودی
- تفسیر ماجدی : مولانا عبد الماجد دریا آبادی
- تدبر قرآن : مولانا امین احسن اصلاحی
- تفسیر القرآن : مولان محمد حنیف ندوی
- توضیح القرآن : ابو مصلح حیدر آبادی
- مفہوم القرآن : غلام احمد پرویز
- فیوض القرآن : حامد حسن بلگرامی
- جواھر القرآن : مولانا غلام اللہ
- ضیاء القرآن : پیر محمد کرم شاہ الازہری
- اردو ترجمہ : تفسیر مظہری از ثناء اللہ امرتسری
- تفسیر الحسنات بآیات بینات۔ محمد احمد ابو الحسنات قادری

- معارف القرآن : مولانا محمد ادریس کاندہلوی

اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مطابق اردو میں ۱۷۹۰ء میں شاہ عبد القادر (م ۱۲۳۰ھ / ۱۸۱۵ء) نے موضح القرآن کے نام سے ترجمہ وحواشی لکھے، پھر ان کے بھائی شاہ رفیع الدین (۱۸۱۸ء) نے ترجمہ قرآن مجید کی خدمت سر انجام دی۔[۵] تاہم ترتیب کے لحاظ سے اوّلیت کا شرف شاہ مراد اللہ انصاری سنبھلی کو حاصل ہے۔ انہوں نے (۱۱۸۴ھ / ۱۷۷۰ء) میں تفسیر مرادی کے ساتھ قرآن مجید کے پارہ عم کا ترجمہ کیا یہ ترجمہ تفسیر مرادیہ کے ساتھ (۱۲۴۷ھ / ۱۸۳۱ء) میں ہوگلی (یہ بھارتی ریاست جارکھنڈ کا ایک ضلع ہے) میں چھپا تھا۔[۶]

مفسر کا تعارف اور مرتبہ ومقام

تفسیر مرادیہ کے مصنف کا نام شاہ مراداللہ انصاری سنبھلی (م ۱۱۸۵ھ / ۱۷۷۰ء) ہے[۷]۔ موصوف سلسلہ نقشبندیہ میں حضرت مرزا مظہر جان جاناں سے بیعت تھے۔ تاہم ان کی سوانح کے بارے میں تذکرہ نگار خاموش ہیں اور اس سلسلے میں ہمیں زیادہ معلومات نہیں ملتیں۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کے تاریخ ادبِ اردو میں اس قدر صراحت ملتی ہے کہ وہ سنبھل کے محلہ میاں سرائے کے رہنے والے تھے۔[۸]

مفسر شاہ مراداللہ انصاری محدث دہلوی شاہ ولی اللہ کے ہم عصر تھے، تاہم دونوں کے آپس میں مراسم کے بارے میں ہمیں کوئی معلومات میسر نہیں اور کہیں اس بارے میں کوئی صراحت نہیں ملتی۔ شاہ مراداللہ کی پیدائش کے بارے میں تو معلوم نہیں ہو سکا ہے، تاہم وفات ۱۱۸۴ھ بتائی گئی ہے[۹] لیکن اس کے صحیح ہونے کا امکان بھی کم ہے کیونکہ ان کی تفسیر ۱۱۸۵ھ میں مکمل ہوئی ہے۔ جیسا کہ خود مفسر شاہ مراداللہ کے اپنی تفسیر کے اختتام پر اس عبارت سے واضح ہوتا ہے:

> "یہ تفسیر محرم کے مہینے کی ۲۴ تاریخ جمعہ کے دن سال گیارہ سو پچاسی ہجری میں تمام ہوئی"[۱۰]

مفسر کا خاندان دربارِ شاہی میں بلند مقام پر فائز تھا اور ان کو قدر کے نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

تفسیر مرادیہ کا تعارف، زمانہ تالیف اور تقدم

تفسیر مرادیہ کا تاریخی نام خدائی نعمت ہے، جو سورت الفاتحہ کے بعد صرف تیسویں پارے کی تفسیر ہے۔ اس کے اردو ترجمہ کے بارے میں اہل علم کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے کہ آیا یہ ترجمہ شاہ

مراداللہ سنبھلی کا ہے یا پھر شاہ عبدالقادر کے ترجمے سے ماخوذ ہے۔ چونکہ شاہ عبدالقادر کا ترجمہ قرآن ۱۲۰۵ھ میں پایہ تکمیل کو پہنچاہے اور شاہ مراد سنبھلی کے ترجمے کی تکمیل ۱۱۸۵ھ میں ہوئی ہے اس لئے شاہ مراداللہ سنبھلی کو ہی قرآن کا اردو میں مترجم اوّل تسلیم کیاجاناچاہئے۔ تاہم تفسیر مرادیہ کی طباعت ۱۲۵۱ھ کے زمانے میں ہوئی، جس وقت شاہ عبدالقادر کا ترجمہ قرآن مجید غیر معمولی شہرت اور مقبولیت حاصل کرچکا تھا۔ اس لئے قیاس کیاجاتاہے کہ تفسیر مرادیہ کی طباعت کے وقت مصححین نے بعض سورتوں اورآیتوں کا ترجمہ شاہ عبدالقادر کے ترجمہ قرآن سے اخذ کرلیاہو گا(۱۱) تاہم اس ضمن میں تقدم کی فضیلت بحرحال تفسیر مرادیہ ہی کو حاصل ہے۔

تفسیر کی طباعت وشہرت

تفسیر مرادیہ پہلی مرتبہ ۱۲۵۱ھ میں طبع ہوئی اور اس کے بعداس کے کئی ایڈیشن منظرعام پر آئے۔ آغازِ تفسیر سورت فاتحہ سے ہوتاہے اور مورخینِ اردوادب میں اس کو غیر معمولی اہمیت حاصل رہی ہے(۱۲)۔اس میں اسرائیلی روایات کاذکر کثرت سے موجودہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ مفید اور علمی گفتگو بھی کی گئی ہے۔ یہ تفسیر کئی ایک خصوصیات کاحامل ہے جسے سطورذیل میں پیش کیاگیاہے۔

یہ تفسیر سب سے پہلے ۱۲۴۷ھ میں کلکتہ سے شائع ہوئی اور سید احمد شہید کا حلقہ اثر اس کی اشاعت کرتارہا، تاوقت یہ کہ انگریز حکومت نے تحریک سید احمد شہید کے لٹریچر کے ساتھ اس پر بھی پابندی لگادی اور یہ تفسیر ممنوع قراردے دی گئی(۱۳)۔

مختصر یہ کہ شمالی ہند میں پہلی باقاعدہ اور معیاری اردو تفسیر نگاری ابتداًبارہویں صدی ہجری کے اواخر میں ہوئی۔ شمالی ہند کی پہلی مقبول عام تفسیر شاہ مراد اللہ سنبھلی کی تفسیر خدائی نعمت معروف بہ تفسیر مرادی ۱۴محرم ۱۱۸۵ھ کواختتام پذیرہوئی (خدائی نعمت تاریخی نام ہے) یہ تفسیر متعدد بار طبع ہوئی جس سے اس کی مقبولیت کااندازہ لگایاجاسکتاہے۔ یہ صرف پارہ عم کی تفسیر پر مشتمل ہے۔(۱۴)

پوری تفسیر نہ لکھنے کا سبب

تفسیر مرادیہ سورت فاتحہ سمیت قرآن حکیم کے آخری پارے کی تفسیر ہے۔ کہاجاتاہے کہ حضرت شاہ مراد اللہ نے سورۃ البقرۃ کی تفسیر بھی شروع کردی تھی، اس بات کی تصدیق پنجاب یونیورسٹی کے شیرانی کلکشن میں سورتِ بقرہ کی پہلی بیس آیات کی تفسیر کی موجودگی ہے، تاہم روایات کے مطابق

حضرت شاہ صاحب نے اپنے مرشد حضرت مرزا مظہر جان جاناں (۱۵) کے ارشاد کی تعمیل کرتے ہوئے اس سلسلہ کو ختم کر دیا۔

مقامات مظہری کے مؤلف رقمطراز ہیں:

"ایشاں (شاہ مراد اللہ) ارادہ کردند کہ تفسیر کلام اللہ بزبان ہندی۔۔ تصنیف نمایند و حضرت (میرزا مظہر جان جاناں) ایشاں درا، منع کردند کہ اشاعت انوار طریقت موجب حصول اخلاص و مرتبہ احسان می شود۔ اوقات مصروف بہ ہمیں شغل باید داشت و بجز ذکر و مراقبہ بہ ہیچ امر نباید پرداخت"(۱۶)

ترجمہ: حضرت مرزا جان جاناں فارسی اور اردو کے عظیم عہد ساز شاعر تھے، مگر اپنے خلیفہ کو تحریر سے منع فرمایا اور وہ بھی تحریر تفسیر سے، جو خود اشاعت و تبلیغ کا ایک وسیلہ تھی۔ یہ بات ہمیں گہرے فکر کی دعوت دیتی ہے۔

اس کے اسباب پر غور کرتے ہوئے پہلی بات ذہن میں یہ آتی ہے کہ مرشد اپنے اس مرید کی صلاحیتوں کا بہتر علم رکھتے ہیں۔ اور یہ کہ تبلیغ دین جو کارِ انبیاء اور امر ضروری ہے، تب تو مرزا جان جاناں صاحب اپنے مرید شاہ مراد اللہ صاحب کو تبلیغ دین کے کام کرنے کے لئے بنگال بھیجتا ہے، جہاں انہوں نے تعلیمِ دین کا فریضہ سرانجام دیا اور جن لوگوں کی تربیت فرمائی ان میں بڑے پائے کے نام ملتے ہیں۔ ان میں محمد غوث، محمد دانش اور محمد درویش (۱۷) کے نام ہم تک پہنچے ہیں۔ حضرت مرزا جان جاناں ان صوفیوں میں سے تھے جو خانقاہوں میں بیٹھ کر بھی رسم شبیری ادا کرنے کا ہنر رکھتے تھے۔ آپ نے اپنے دور میں مسلمانوں کی تنظیم، مرہٹوں اور سکھوں کے مظالم کے آگے بند باندھنے کی کوشش کی لیکن آپ مسلمانوں کے انتشار سے کبیدہ خاطر رہتے۔

حضرت جان جاناں کے عہد میں قرآن حکیم کو بھی مسلمانوں کے مختلف گروہوں نے معاذ اللہ اپنے مقاصد کے حصول کا ذریعہ بنالیا تھا، جس سے انسان سازی کی روایت کمزور ہوگئی تھی۔ گویا اللہ کی کتاب کو لوگوں نے اپنے عقائد کے لئے استدلال کا وسیلہ بنایا تھا اور اس کی تاویل گروہی نقطۂ نظر سے کی جاتی یا پھر قرآن حکیم کو فکر و فلسفہ کی کتاب سمجھا جانے لگا تھا اور عمل سے ہم آہنگ کرنے کی کوششیں نہیں کیجاتی تھیں۔ جیسا کہ آج ہماری یہی صورت حال ہے۔ مفسرین سے نکتہ آفرینی، سخن سنجی

اور جدتِ فکر کا مطالبہ کیا جاتا ہے اور اسی طرح کیاب اللہ کو عصری تقاضوں سے ہم آہنگی کی خوبصورت اصطلاح کے نذر کیا جاتا ہے۔

تفسیر لکھنے کا مقصد

شاہ مراد اللہ نے یہ اردو تفسیر اسی نیت سے لکھی کہ عربی سے ناواقف اور فارسی میں زیادہ استعداد نہ رکھنے والے مطالب قرآن سے آشنا ہو کر اپنی زندگی کی تعمیر قرآنی خطوط پر کر سکیں، جیسا کہ مفسر نے خاتمۃ الکتاب میں لکھا ہے:

" اللہ کے فضل سے، حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے طفیل سے یہ بندہ عاجز، گناہ گار امیدوار ہے جو اس تفسیر کے لکھنے میں اور اس کے پڑھنے پڑھانے میں یہ بندہ اور جو کوئی ہوئے پڑھے پڑھاوے ہمیشہ ہمیشہ؛ دنیا میں، قبر میں، آخرت میں اس کی برکتوں سے محروم نہ ہووے۔ لکھنے کا، پڑھنے کا، پڑھانے کا، سمجھانے کا، سکھانے کا، عمل کرنے کا اور کوئی عمل بتانے کا ثواب پاتا رہے "۔[۱۸]

اس حوالے سے پروفیسر ڈاکٹر ایوب قادری مرحوم نے " اردو نثر کے ارتقاء میں علماء کا حصہ " میں اور شاہ صاحب کی ایک اور تحریر، ڈاکٹر نجم الاسلام کے مقالہ (مطبوعہ نقوش اپریل تا جون ۱۹۶۶ء) کے حوالے سے پیش کی ہے جس میں آپ نے کم و بیش یہی فرمایا ہے کہ:

" اس تفسیر کے لکھنے کا مقصد یہی ہے کہ دین کی عام باتیں ان کو اچھی طرح سے معلوم ہو جائیں، یاد رہیں اور کام آویں "۔[۱۹]

اردو کے دینی اور تفسیری ادب میں تفسیر مرادیہ کی اہمیت کی اولین وجہ اس کی اولیت ہے۔ اس کی اہمیت کا دوسرا سبب شاہ مراد اللہ صاحب کا مقصد تبلیغی اور عام آدمی میں قرآن حکیم کی تفہیم کا ذوق پیدا کرنا ہے۔ انہوں نے اپنے پڑھنے والوں کو لغوی اور فلسفیانہ بحثوں میں نہیں الجھایا ہے، بلکہ وہ تعلیمات قرآنی کو اس طرح پیش کرتے ہیں کہ آدمی میں ذوق عمل پیدا ہو۔ ابتدائی دور کی تفسیری ادب میں ہمیں نسبتاً یہ پہلو زیادہ نمایاں نظر آتا ہے، جو متقدمین اور سلف صالحین کا طریقہ رہا ہے کہ جہاں قیل و قال کم اور عمل پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ اور یہی ہے کتاب اللہ کے اتارنے کا مقصد۔

تفسیر مرادیہ کا اسلوب

ذیل میں تفسیر مرادیہ سے نمونہ کے طور پر چند ایک اقتباسات نقل کئے جاتے ہیں جن سے اس کے اسلوب کا پتہ لگایا جاسکے:

مفسر سورت النبأ(عَمَّ يَتَسَاءلُون) کی تفسیر شروع کرنے سے قبل تمہید کے طور پر لکھتے ہیں:

" شروع کرتاہوں کہ عم سپارے کی تفسیر کے نام کی برکت سے ، جس نے ہم کو دنیامیں پیدا کیااور روزی اور سب طرح کی نعمت بخشی اور بخشنے والاہے ہر مومن اور مسلمان کی آخرت میں بہشت میں لے جانے والاہے حضرت محمد ﷺ کے طفیل سے۔ عم سپارے میں پہلی سورت عم ہے، مکہ میں نازل ہوئی، اس میں چالیس آیتیں اور ایک سو چھہتر کلمے اور آٹھ سو ایک حروف ہیں۔ جب حضرت نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغمبری کی خلعت پہنے اور پیغمبر ہوئے اور حکم سے حق تعالیٰ کے مکے کے سارے آدمیوں کو اپنی پیغمبری کی خبر دی اور ایمان لانے کو فرمایااور بت پوجنے سے منع کیا۔ اللہ تعالیٰ کی بندی بجالانے کے واسطے حکم فرمایااور شرک سے توحید کی طرف سے بلایا"۔[۲۰]

اسی طرح ایک اور جگہ موت کے پسِ منظر میں لکھتے ہیں:

" پروردگار تعالیٰ جس وقت جس آدمی کو مارناچاہتاہے اس کی جان لینے کا حکم کرتاہے۔ وہ آدمی اس وقت مرتاہے۔ پھر کسی حکیم طبیب کی، داناکی عقلمند کی، کچھ تدبیریں کام آتی نہیں، ہزاروں دوا کریں، حکمت کریں، نیز خبر کریں، کچھ کام نہیں آتا، اس راہ سے سب لاچار، بے اختیار اپنے اپنے وقت میں آخرت کی طرف چلے جاتے ہیں"۔[۲۱]

اس تفسیر کی منفرد خصوصیات درج ذیل ہیں :

ا۔ اس تفسیر میں بہت سے مقامات پر شاہ صاحب اپنی اردو عبارت کو قرآنی آیت سے ہم آہنگ کر دیتے ہیں۔ اس کی مثال سورہ القدر کے تعارف کا آخری فقرہ ہے:

"فرماتاہے اللہ تعالیٰ اور اس کے بعد ہی ہمیں قرآنی الفاظ ملتے ہیں:"إِنَّآأَنْزَلْنَاهُ "

۲۔ باغ وبہار کے اسلوب کا حسن جملوں اور فقروں کے ہم آہنگ امتزاج میں ہے۔ یہ اسلوب ہمیں میر امن (۲۲) سے پہلے حضرت شاہ مراد اللہ صاحب کی تفسیر میں نہایت حسن اور کمال کے ساتھ ملتا ہے۔

۳۔ شاہ صاحب نے فقروں سے تکرار کا کام بھی لیا ہے۔ اس سے قوت اور حسن کے ساتھ ساتھ گفتگو کا انداز پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً مفسر اس حوالے سے رقمطراز ہے:

" وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّى" اور سوگند ہے دن کی جب ظاہر ہوتا ہے، رات کی اندھیاری کو دور کرتا ہے۔ یہ رات اور دن دو آیتیں ہیں، دو نشانیاں ہیں، دو دلیلیں ہیں"۔ (۲۳)

اسی طرح سورتِ زلزال کے آیت:﴿ إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا ﴾(۲۴)

کے ترجمہ میں رقمطراز ہے:

"جس وقت جنبش دی جائے گی، ہلائی جائے گی زمین"۔

۴۔ جملہ کے اجزائے کلام کی ترتیب میں شاہ صاحب مفہوم کا احترام کو ملحوظ لکھتے ہیں۔ ان کے ہاں فاعل یا اسم بیشتر صورتوں میں پہلے آتا ہے، مگر جو مثال ابھی پیش کی گئی اس میں زمین کی جنبش کو ابھارنے کیلئے اس کا ذکر پہلے لایا گیا اور زمین کا بعد میں۔ یوں اصل کے مفہوم اور قواعد کا اتباع بھی ہوگا اور زمین کی مفعولی حالت، معانی سے ہم آہنگ ہوگی۔

مفسر سنبھلی نے اس تفسیر کو بڑی دانائی اور حکمت سے ترتیب دیا ہے جو اوّلین تفاسیر میں اہمیت کی حامل ہے۔ اور ایک قابلِ ذکر کارنامہ ہے، جانے آنے والے مفسر کو ترغیب اور مہمیز کا کام دیا ہے۔

تفسیر کی عمومی خصوصیات

سادہ، سلیس اور قدیم ہندی زبان کا مظہر

مفسر نے فارسی اور عربی لغت نہ جاننے والوں کے لئے تفہیمِ کتاب اللہ کی غرض سے تفسیر عام فہم اردو زبان میں ڈالنے کی ایک عظیم اور زبردست کاوش کی ہے، جو اپنے کام اور کلام میں سادگی کا مظہر اتم ہے۔ تاہم اس وقت کی زبان آج کے اردو ادبیات سے فروتر ہے، جیسا کہ خود مفسر کے کلام سے واضح ہے،

اپنے مقاصد پر توجہ دیتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"حمد اور شکر کا سجدہ لائق ہے، جس خداوند نے اپنے فضل و کرم سے عم سپارے کی تفسیر ہندی زبان (اُردو) میں تمام کروائی۔ اس گنگار مراداللہ انصاری سنبلی قادری نقشبندی کو یہ خدمت فرما کر، توفیق بخشش کر اس کے دل میں اپنے پاک کلام کا بیان بخشا، زبان کو ہاتھوں کو قوت بخش کر اس کے دل میں اپنے پاک کلام کا بیان"۔[۲۵]

قرآن مجید کتابِ ہدایت ہے اور انسانی زندگی کے تمام تر معاملات میں راہنما ہے۔ اور اچھے برے کے پہچان کی ایک پیرامیٹر ہے اس ضمن میں مفسر ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

"اچھی بری آدمی کے پہچانے کے قرآن کسوٹی ہے"[۲۶]

پیغامِ قرآن سے آگاہ کرتے ہوئے مفسر ایک اور جگہ یوں رقمطراز ہے:

"اس کلام سے سبق حقیقتیں معلوم ہوتی ہے جو کچھ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ جس کام کو فرمایا ہے جو کچھ خبر دی ہے اول و آخر دنیا اور آخرت کی قیامت کا سب کو زندہ ہونا، حساب و کتاب، جنت و دوزخ یہ سب کچھ حق ہے"۔[۲۷]

سورت کی مکی، مدنی اور آیات کی تعداد کے ذکر کا اہتمام

تفسیر مرادیہ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ مؤلف نے ہر سورت کے آغاز میں اس بات کی صراحت کی ہے کہ زیرِ بحث سورت مکی ہے یا مدنی۔ کلموں اور حروف کی گنتی کے ساتھ یہ بھی بیان کیا ہے کہ سورت میں کل کتنی آیات ہیں۔ نیز مضامین کی وضاحت بھی کی گئی ہے۔

مثلاً پارہ عم کے آغاز میں مفسر یوں رقمطراز ہیں:

"عم سیپارے میں پہلے سورہ عم ہے مکے میں نازل ہوئی اس میں چالیس آیتیں ایک سو چھہتر کلمے اور آٹھ سو ایک حرف ہیں۔ جب حضرت محمد ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغمبری کا خلعت پہنا، پیغمبر ہوئے اور حکم سے حق تعالیٰ کے مکے کے سارے آدمیوں کو اپنی پیغمبری کی خبر دی اور ایمان لانے کو فرمایا اور بت پوجنے سے منع کیا۔ اللہ تعالیٰ کی بندگی بجالانے کے واسطے حکم فرمایا اور شرک سے توحید کی طرف بلایا اور آیتیں قرآن شریف کی سنائیں۔ آخرت کی حقیقت بیان کر دی"[۲۸]

مضامین سور کا بیان

تفسیر مرادیہ میں شیخ مضامینِ سور کو بیان کرنے کا بھی اہتمام فرتے ہیں، تاہم بعض سورتوں کی ابتدامیں مضمون کو بے حد اختصار کے ساتھ پیش کیا گیاہے۔ سورہ عبس کی تمہید میں رقمطراز ہیں:

"اس سورہ میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایاہے کہ ارشاداور تعلیم کی صورت میں سمجھنے اور عمل کی توفیق بخشنے والاوہی پروردگارعالم ہے"۔(۲۹)

جب کہ کئی سورتوں میں مضمون کی صراحت کا اہتمام نہیں کیا گیاہے، صرف کلمات اور حروف کی تعداد کے ذکر پر اکتفی کرتے چلے جاتے ہیں۔

خرافات اور بدعات کارد

قرآم مجید کے الہامی تاریخ کے تذکرے سے پتہ چلتاہے کہ جوں جوں انسان پر عرصہ دراز ہوتا ہے اوراحکام کی تعلیم وترغیب کی کمی ہوتی گئی، بدعات وخرافات میں بھی اضافہ ہوتا گیاہے۔ لیکن وقت کے علماوصلحانے امت کی رانمائی کا یہ فریضہ برابر نبھایاہے۔ شاہ مراداللہ سنبھلی ان میں سے ایک ہے جنہوں نے اپنی تفسیر میں زمانے کی رائج متنوع بدعات اور خرافات کا ذکر کرتے ہوئے ان کی تردید کی ہے اور اصلاح کی کوششیں کی ہیں۔ مثلاً:

﴿ الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴾(۳۰)

ترجمہ: جس کاراج ہے آسمانوں میں اورزمین میں اوراللہ کے سامنے ہے ہر چیز۔

کی تفسیر میں مفسر لکھتے ہیں:

"حضرت عیسیٰ پیغمبر کواللہ تعالیٰ نے خلق کی ہدایت کے لئے بھیجا۔ اس وقت یہودیوں کا غلبہ تھا۔ یہود حضرت موسیٰ کی امت میں تھے دین یہود کو بھول گئے تھے، سحر وجادو کی طرف جانے لگے تھے، بت پرستی کرتے تھے، بدعتیں کرتے تھے، دین کی راہ چھوڑدی تھی، جیسے اب اس زمانے میں بہت لوگ مسلمان کہلاتے ہیں اپنے تیئں حضرت محمد ﷺ کی امت جانتے ہیں۔ لیکن دین کے کام انہوں نے چھوڑدیئے ہیں قبروں کوسجدہ کرتے ہیں، کافروں کی رسمیں بجالاتے ہیں، ہولی، دیوالی، دسہرہ کرتے ہیں۔ سیتلاچٹیہ، پنچانند کالی مہادیوی، بن بی بی، اولادبی بی، لال

پری، شیخ سدو، زین خان، مانک پیر، پرست پیر وغیرہ کو پوجتے ہیں ان کی منت جڑھاتے ہیں اور بہت باتیں ہیں جو مرد وعورت سب کرتے ہیں۔ یہ نادانی کا سبب ہے دین کی علم سے جاہل ہیں"۔ (۳۱)

تفسیر کا علمی قدر وقیمت اور مضامین

کسی چیز کی قدر وقیمت کا اندازہ اس سے اچھے طریقے سے لگایا جاسکتا ہے، کہ جب وہ چیز ناپید یا کم مقدار میں دستیاب ہو۔ تفسیر مرادیہ اس لحاظ سے ایک وقیع اور گراں قدر تفسیر ہے، کہ یہ ایک ایسے دور میں منظرِ عام پر آیا ہے جب لوگوں کو کتاب اللہ کے سمجھنے کی ضرورت تھی۔ اور جب یہ ابتدائی تفسیر اپنا کام دکھاتی ہے تو اس کے بعد ہر قسم کے تفسیری ادب سے مزین تفسیریں منظرِ عام آنا شروع ہو جاتی ہیں۔

تفسیر مرادیہ سے مؤلف کے حکیمانہ خیالات کا پتہ چلتا ہے اور کئی آیات کی تفسیر نہایت بصیرت افروز انداز میں پیش کی ہے۔ مثلاً: آیت کریمہ ﴿ ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَه ﴾ (۳۲) پھر راہ آسان کردی) کی تفسیر میں ابتدا انہوں نے اس کا مفہوم بیان کیا ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو شکم مادر سے بآسانی باہر نکالا پھر نہایت حکیمانہ انداز میں دیگر حکمتیں بھی اس طرح شامل کرلی ہیں کہ معلوم ہوتا ہے جیسے انسانی زندگی کے تمام مراحل اس میں سما گئے ہیں۔

مفسر شاہ مراد اللہ رقمطراز ہیں:

> " پھر راہ نکلنے کی پیٹ سے اللہ تعالیٰ نے اس کے اوپر آسان کردی، پس آدمی اپنے دل میں سمجھے اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے فضل پر ایمان لاوے۔ شکر کرے جو پیٹ میں تھا، تنگی میں تھا اور راہ بھی اس کے نکلنے کی تنگ تھی کیا حکمت وے آسانی سے اس ماں کے پیٹ میں رکھا پھر کس حکمت سے ایسی تنگ راہ سے آسانی سے باہر نکالا۔ پھر اس کے اوپر سب طرح کی راہ آسان کردی۔ اول تو وہاں سے نکل کر قوت کے پیدا کرنے کی قدرت نہ تھی اور تنگی میں تھا کہ نہ عقل تھی نہ شعور تھا نہ زور تھا نہ قوت تھی جو اپنی قوت سے اپنی قوت پیدا کرپاتا۔ پالنے والوں کے دلوں میں پیار شفقت ڈال دی، ماں کی چھاتی میں دودھ پیدا کردیا"۔ (۳۳)

اسی طرح ایک اور جگہ فرماتے ہیں

" پھر اللہ تعالیٰ نے آدمی کے اوپر سمجھنے کی راہ عقل کی راہ آسان کر دی، جوں جوں بڑا ہوتا جاتا ہے سمجھ پیدا ہوتی جاتی ہے دنیا کی معاش کی تدبیریں آگے آتی جاتی ہیں مثلاً جب دودھ پینے سے چھوٹا کھانا پینا آگے آیا دنیا کے مزوں کی چیزوں کی خبر ہوئی ان مزوں کی چیزوں کی تلاش میں بند پڑا پھر مقصدوں کے پیدا کرنے کے واسطے بھی سب طرح کی راہ آسان کی ان کی قوم کی عادت پر ان کی راہ ورسم پر کام سکھایا، نوکری چاکری، کھیتی باڑی، تجارت، لوہار، بڑھئی کا کام کسب جولاہے کا پیشہ اور طرح طرح کے سب کسب پیشے دنیا میں پیدا کر دیئے، ہر ایک کے اوپر ایک ایک طرح سے راہ آسان کر دی، جونسی راہ چاہیئے اس راہ میں آسانی سے چلے رہنا مقصود حاصل کرے اور جس راہ کو اللہ تعالیٰ نے جس کی مشکل کر دی اس راہ میں قدرت نہیں جو قدم اٹھ سکے "۔ (۳۴)

بہترین اور عمدہ ترتیب

مؤلف شاہ مراد اللہ سنبھلی نے تفسیر کو بڑی دانائی اور حکمت سے ترتیب دیا ہے، جو اوّلین تفاسیر میں اہمیت کی حامل ہے۔ کچھ مصنفین نے اس کی اہمیت پر انگشت نمائی بھی کی ہے۔ لیکن اس تفسیر کے مطالعے سے یہ بات واضح ہے کہ برصغیر میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے عہد میں علم تفسیر منظر عام پر آچکا تھا اور تفسیر مرادیہ اسی دور میں ترتیب دی گئی ہے۔ بھلے اس کی پہلی اشاعت طویل عرصے کے گزرنے پر ہوئی تاہم ترتیب و تسوید کی حیثیت سے اسے اوّلیت حاصل ہے، جس نے آنے والوں کے لئے مشعلِ راہ کا کام دیا ہے۔

خلاصہِ کلام:

اللہ تبارک و تعالیٰ کی آخری اور بابرکت کتاب قرآن مجید کے مفاہیم سے اللہ کے بندوں کو روشناس اور باخبر کرانا اوراس کے اغراضِ ومقاصد سمجھانا ایک نہایت ہی اعلیٰ اور نیک مقصد ہے۔ اس خدمت کے لئے علمائے امت نے بہت ہی عرق ریزی سے کام لیا ہے اور تراجم و تفسیرِ قرآن مجید کا عظیم خدمت سرانجام دیا ہے۔

قرآن مجید کے ان تاریخی اردو خدمات میں صاحبزادگان ولی اللہ کے ترجموں کو قدیم اور باضابطہ ترجمے کہنا صحیح ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس سے پہلے قرآن کا کوئی اُردو ترجمہ نہیں ہوا تھا۔ جیسا کہ مقالہ میں یہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ شاہ مراد اللہ کا ترجمہ و تفسیر شاہ عبد القادر کے موضح قرآن پر سبقت رکھتا ہے ۔ کیونکہ یہ ترجمہ اس سے اکیس سال پہلے لکھا گیا ہے۔ اس کا اسلوب دوسروں کے مقابلے میں عام فہم ، سلیس ، عمدہ اور غلطیوں سے پاک ہے۔ نہ کوئی سابقہ ترجمہ ان کے سامنے تھا بلکہ یہ سب کچھ ان کی منفرد علمیت کاوش کا ثمر ہے۔

حواشی وحوالہ جات

۱) عثمانی، محمد نسیم، ڈاکٹر، اردو میں تفسیر ادب، کراچی ۱۹۹۴ء، ص:۱۱۶۔
اکرم، اعجاز فاروق، ڈاکٹر، بر صغیر میں مطالعہ قرآن، ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد، ص:۹۳۔

۲) ایضاً، ص:۹۴

۳) بر صغیر میں مطالعہ قرآن، ص:۹۲۔

۴) صالحہ عبدالحکیم شرف الدین، ڈاکٹر، قرآن مجید کے اردو تراجم، قدیمی کتب خانہ کراچی، ص:۸۱:۸۰۔

۵) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، لاہور، ۱۹۶۰ء، ص:۴۳۵۔

۶) قاسمی، محمد سالم، مولانا، جائزہ تراجم قرآنی، ۱۹۸۶ء، ص:۵۰، مطبوعہ لاہور

۷) مجددی، غلام علی، مولانا، مقامات مظہری، ص:۵۷ نامکمل، مطبوعہ کراچی

۸) تذکرۃ المفسرین، از قاضی محمد زاہد الحسینی، اٹک (۱۴۰۱)

۹) تاریخ ادب اردو، از ڈاکٹر جمیل جالبی، ج:۲، حصہ ۲، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی

۱۰) تفسیر مرادیہ، از شاہ مراد اللہ انصاری سنبھلی، ص:۳۲۴

۱۱) قرآن مجید کے اردو تراجم وتفاسیر، از ڈاکٹر حمید شطاری، مطبوعہ ۱۹۸۲ء، ص:۱۰۷

۱۲) تذکرہ مفسرین ہند، ج:۲، از محمد عارف اعظمی، ص:۲۲۰

۱۳) ہندوستان میں وہابی تحریک از ڈاکٹر قیام الدین، ص:۳۰۵

۱۴) اردو تفاسیر (کتابیات)، مرتب، جمیل نقوی:۲۵

۱۵) میرزا مظہر جانِ جاناں سادات علوی میں سے تھے۔ آپ سلسلہ نسب محمد بن حنفیہ کی وساطت سے حضرت علی تک پہنچتا ہے۔ آپ کے والد میرزا جان سلطان اورنگزیب عالمگیر کے دربار میں صاحب منصب تھے۔ ۱۱ رمضان ۱۱۱۱ھ یا ۱۱۱۳ھ کو جب میرزا مظہر کی پیدائش کی خبر عالمگیر کو ملی تو اس نے کہا کہ بیٹا باپ کی جان ہوتا ہے، چونکہ باپ کا نام میرزا جان ہے، ہم نے ان کے بیٹے کا نام جانِ جان رکھا لیکن عوام میں جانِ جاناں مشہور ہوا۔ آپ کے والد میرزا جان جو کہ سلسلہ قادریہ میں شاہ عبدالرحمٰن قادری کے مرید تھے، آپ کی پیدائش مبارک کے بعد دنیا سے کنارہ کش ہوگئے اور باقی عمر فقر وقناعت میں بسر کی۔ سبب قتل یہ ہوئی کی جب مغل بادشاہ، شاہ عالم کے دور میں ایرانی شیعہ پارٹی نے اتنا عروج حاصل کیا تو ایرانیوں کے قائد نجف خاں کو دہلی کی مسند وزارت پر فائز کرنا پڑا۔ نجف خاں کے برسر اقتدار آنے سے جہاں بہت سے اختلافات پیدا ہوئے وہاں شیعہ سنّی جھگڑا بھی اپنے عروج کو پہنچا۔ اس دور میں علماء اہل سنت کو خاصی پریشانی وتکالیف کا سامنا کرنا پڑا، بالخصوص دو فعال ترین شخصیتوں یعنی شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور میرزا مظہر کی خانقاہیں جو سنی طاقتوں کا مرکز

تھیں، نجف خاں کے ظلم و ستم کا نشانہ بنیں۔ شاہ ولی اللہ کی جائیداد کو ضبط کر کے شاہ عبد العزیز دہلوی اور شاہ رفیع الدین کو دہلی سے پاپیادہ نکال دیا گیا۔ اور اسی طرح 7 محرم ۱۱۹۵ ہجری کو جب کہ کچھ ہی رات گذری تھی کہ چند بدبخت آدمیوں نے مظہر جانان پر قاتلانہ حملہ کیا۔ ایک بدبخت ایرانی مغل نے طبانچہ کی گولی داغ دی، اس کے بعد آپ تین روز زندہ رہے۔ اور دس محرم کو جسے شہادت کی رات کہا جاتا ہے، آپ نے تین بار زور زور سے سانس لیا اور واصل بحق ہو گئے۔ (آزاد دائرۃ المعارف، ویکیپیڈیا)۔

۱۶) قرآن مجید کی تفسیریں بحوالہ مقامات مظہری از مولانا غلام علی مجددی، قرآن و سیرت سوسائٹی حیدر آباد ۱۳۸۶ھ بمطابق ۱۹۶۶ء، ص:۷۵۔

۱۷) ان بزرگ صوفیا کے حوالے سے کوشش بسیار کے باوجود کوئی معلومات نہیں ملی ۔

۱۸) تفسیر مرادیہ، ص:۳۲۴

۱۹) ڈاکٹر نجم الاسلام،۔ اُردو تراجم، مطبوعہ نقوش، اپریل تا جون ۱۹۶۶ء)۔ لاہور

۲۰) تفسیر مرادیہ، ص:۶۰

۲۱) ایضاً، ص:۵۵

۲۲) میر امن کا اصل نام میر محمد امان اور تخلص امن تھا۔ آپ نے باقاعدہ شاعری کبھی نہیں کی۔ خود لکھتے ہیں: "نہ شاعر ہوں میں اور نہ شاعر کا بھائی" میر امن کے بزرگ ہمایون کے عہد میں مغلیہ دربار سے وابستہ ہوئے۔ آپ دہلی میں پیدا ہوئے اور یہیں پروان چڑھے۔ مغلوں کے دور آخر میں جب ولی کو احمد شاہ ابدالی نے تاراج کیا اور سورج مل جاٹ نے لوٹا تو میر امن دلی کو خیر آباد کہہ کر عظیم آباد پہنچے۔ وہاں سے کلکتہ گئے کچھ دن بیکاری میں گزرے۔ بالاخر میر بہادر علی حسینی نے ان کا تعارف فورٹ ولیم کالج کے شعبہ ہندوستانی کے سربراہ ڈاکٹر گل کرائسٹ سے کرایا۔ انہوں نے میر امن کو کالج میں ملازم رکھا لیا۔ اور قصہ چہار درویش (فارسی) سلیس نثر میں لکھنے پر مامور کیا۔ چنانچہ ان کی فرمائش پر ۱۸۰۱ء میں باغ و بہار لکھنی شروع کی۔ ۱۸۰۲ میں مکمل ہوئی اور ۱۸۰۳ء میں پہلی بار شائع ہوئی۔ میر امن کی دوسری کتاب گنج خوبی ہے جو ملا حسین واعظ کاشفی کی (اخلاق محسنی) کا ترجمہ ہے۔ میر امن کی زندگی کے حالات کسی کتاب یا تذکرہ میں نہیں ملتے لہذا ان کی ولادت اور وفات کے بارے میں کسی کو صحت کے ساتھ معلوم نہیں (آزاد دائرۃ المعارف، ویکیپیڈیا)

۲۳) دیکھئے تفسیر مرادیہ، تفسیر سورۃ الیل آیت نمبر:۲

۲۴) سورۃ الزلزال:۱

۲۵) تفسیر مرادیہ، ص:۲۹۱

۲۶) ایضاً، ص:۵۵

۲۷) ایضاً، ص:۱۷

۲۸) تفسیر مرادیہ، از شاہ مراد اللہ، مطبوعہ ۱۳۱۰، ص:۳

۲۹) تفسیر مرادیہ، ص:۶۱

۳۰) سورت بروج آیت نمبر:۹

۳۱) تفسیر مرادیہ، ص:۱۴۱

۳۲) سورہ عبس آیت نمبر:۲۰

۳۳) تفسیر مرادیہ، ص:۲۸

۳۴) تفسیر مرادیہ، ص:۱۶

****